

سجدہ تعظیم

[مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے نام ایک صاحب کا مکتوب آیا تھا جس میں انہوں نے سجدہ تعظیم کے حق میں متعدد دلائل دے کر دریافت کیا تھا کہ ان دلائل کی بنا پر ایسے سجدے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس کا اصولی اور مفصل جواب تحریر کیا ہے۔ اس سوال و جواب کو افادہ عام کی غرض سے تارین ترجمان کے سامنے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ اصل مکتوب عربی میں تھا جس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے]

سوال :- میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر آیا سجدہ تعظیم یعنی تعظیمی سجدے کا جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

دو، سجدہ تعظیم کی اباحت پر متعدد آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں اور یہ آیات منسوخ نہیں ہیں جیسا کہ حاشیہ حسامی میں ذکر کیا گیا ہے " مسجد الملكة كآهم اجمعون میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو آیات اخراجات و واقعات کی قبیل سے ہیں وہ منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ (اور فرشتوں کا سجدہ کرنا بھی ایک واقعہ ہے لہذا اس سے متعلق آیات منسوخ نہیں ہیں۔

اب، عبدالرحمن بن محمد الدمشقی نے اپنے رسالہ "ناسخ و منسوخ" میں پینتالیس ایسی سورتوں کا ذکر کیا ہے جن میں کوئی ناسخ یا منسوخ نہیں ہے، ان میں ام الكتاب، سورہ یوسف، سورہ یسین... شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ یوسف کی آیت و رافع ابوبہ علی العرش و خذوا له سجدًا بھی منسوخ نہیں ہے۔

دج، مسلم الثبوت میں کہا گیا ہے "اذا نسخ الوجوب لبقی الجواز" جب وجوب منسوخ ہو جائے تو جواز اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے، اس لیے اگر مذکورہ بالا آیات کہ منسوخ سمجھا جائے تب بھی تعظیمی سجدہ

کی باہمت قائم رہے گی۔

(د) فتاویٰ قاضی خاں میں ذکر ہے: "الاصول فی الاشیاء الاباحۃ" (اقتیاد میں اصل اباحت) اس لیے چونکہ سجدہ تحیت کے عدم جواز میں کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے یہ مباح ہوگا۔

(۴) صاحب ہدایہ کا قول ہے: "الا انہ لمر یجد فیہ نصاً قاطعاً، لہر یطیق علیہ لفظ الحرم

والحیۃ اس بارے میں کوئی نص قاطع نہیں ملی۔ لفظ حرام کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا، چونکہ اس بارے میں کوئی نص قاطع مانع نہیں ہے اس لیے تعظیمی سجدہ جائز ہوگا۔

(۵) فتاویٰ عالمگیری جلد ۲، مسئلہ میں یہ عبارت موجود ہے: "قال الامام ابو منبہر اذا

قبل احدین یدی احدنا الارض او انحنی لہ او طاطا راسہ فلا یکفر بہ لانہ یرید تعظیمہ لاعبادتہ (امام ابو منصور نے فرمایا ہے کہ جب ہم سے کوئی ایک کسی دوسرے کے سامنے زمین بوسی کرے یا اس کے ہتھے جھکے یا سر جھکاتے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا مقصد تعظیم ہے نہ کہ عبادت) اس قول کی بنا پر میرا یہ خیال ہے کہ جھکنا مباح ہے۔

رذ، فقط کا ذیل کا قول بھی سجدہ تحیت کے لیے کافی دلیل ہے

ماکان السجدۃ لہا طرفان... قال ابن عباس سجدۃ التحیۃ بمنزلۃ السلام ولا

بأس بوضع الخدین بین یدی الشیوخ۔ السجدۃ اثنتان، سجدۃ العبادۃ وسجدۃ التحیۃ۔

فالاول خاصۃ للہ تعالیٰ والثانی بوجہ التکریم فی خمستہ محل جاز، انقوم للنبی والمرید

للشیخ والرعیۃ للملک والولد للوالدین والعبد للمولیٰ فی کل حال یرخص اذا سجد الانسان

سجدۃ التحیۃ لا یکفر۔ ہذا کلمہ فی قاضی خان وصغیر خان وتیسیر وسراجی وخطابی وکانی۔

سجدہ و تقیم ہے... ابن عباس کا قول ہے کہ سجدہ تحیت بمنزلہ سلام ہے اور بزرگوں کے سامنے رخساروں

کے ٹیک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سجدے دو طرح کے ہیں، ایک سجدہ عبادت، دوسرا سجدہ تحیت۔

پہلا اللہ کے لیے خاص ہے، دوسرا پانچ مواقع پر بطور تکریم جائز ہے۔ قوم کا اپنے نبی کے لیے سجدہ

اپنے شیخ کے لیے، رعیت کا بادشاہ کے لیے، اولاد کا والدین کے لیے اور غلام کا آقا کے لیے۔ ان تمام

صورتوں میں سجدہ کرنے کی رخصت ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کے لیے ہو۔ اسی صورت میں تکفیر نہیں کی جائیگی۔ قاضی خان، صفیر خان، تیسیر، سراجی، خانی اور کافی میں یہ مضامین موجود ہیں۔

(س) جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے:- لو كنت امر احد ان لیسجد لاحد لاصحرت المواتة ان تسجد لزوجها و لكن لا یتبعی بيشرا ان لیسجد لغير الله (اگر میں کسی کو حکم دینے والا ہوتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے لیکن کسی بشر کو نہیں چاہیے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے)، اس کے بارے میں محقق عبدالحق دہلوی نے اشعۃ المعانی میں فرمایا ہے کہ اس سے نسخ کتاب جائز نہیں اور لاینبی کے لفظ سے قطعی نہی ثابت نہیں ہوتی۔ چونکہ حدیث مذکورہ میں سجدہ ممنوع کا ذکر نہیں اس لیے سجدہ تعظیمی اس اصولی قاعدے کے مطابق مباح ہو گا کہ: المطلق اذا اطلق بمراد به المفرد المطلق (جب ایک مطلق شے کا علی الاطلاق ذکر ہو تو اس سے مراد اس شے کی کامل شکل ہوتی ہے)۔

اطلا فوائد الفوائد لنظام الدین اویا، سیر الاولیاء میں بھی سجدہ تعظیم کے جواز کی بحث ہے اور جلال الدین رومی نے بھی فرمایا ہے۔

سرکش از دوست و اسجد و اقم شرب

ان کتب کا بھی ملاحظہ کر کے جواب دیں۔

جواب :- جو لوگ مذکورہ آیات کی بنا پر سجدہ تعظیم کو جائز سمجھتے ہیں ان کی بنیادنی غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن سے استنباط احکام کے طریقہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جب قرآن میں آدم کے لیے فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ان کا سجدہ کرنا موجود ہے، نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ ان کے والدین اور بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور کہیں سے یہ تہ نہیں چلتا کہ یہ آیتیں منسوخ ہوں تو پھر سجدہ تعظیم کے جواز میں کلام کی کیا گنجائش ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ نہ تو مسجد المذکرة مفسدہ جمعوں الی آیت منسوخ ہے اور نہ سورہ یوسف کی آیت و رفع ابویہ علی العرش و خروا له سجدا منسوخ ہے۔ یہ آیتیں بیان واقعات سے تعلق رکھتی ہیں اس وجہ سے ان کے منسوخ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نسخ اگر واقع ہوتا ہے تو احکام و قوانین میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اخبار و واقعات میں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن میں

جو واقعات بیان ہوئے ہیں یا بعض جگہ پچھلی شریعتوں کے جو حوالے آگئے ہیں کیا وہ مجرد اتنی بات سے کہ وہ قرآن میں مذکور ہوئے ہیں اس امت کے لیے شریعت کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں یا اس امت کے لیے ان کے شریعت بننے کے لیے کچھ اور شرطیں بھی ہیں۔ میرا نقطہ نظر اس طرح کے تمام واقعات اور حوالوں سے متعلق یہ ہے کہ یہ مجرد قرآن میں مذکور ہو جانے کی وجہ سے امت محمدیہ کے لیے شریعت نہیں بن سکتے بلکہ کتاب و سنت کی دوسری تعریحات کی روشنی میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس طرح کے ضمنی واقعات و اشارات سے جو تعظیم نکلتی ہے وہ اس امت میں کس حد تک مطلوب ہے اور کس حد تک مطلوب نہیں ہے۔

قرآن میں حضرت آدم کے ایک بیٹے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب ان کو ان کے بھائی نے قتل کر دینے کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا کہ میں تو تم پر قتل کے ارادے سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، خواہ تم مجھے قتل ہی کر دو، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محض اس خدمت کے معاوضہ میں کر دیا کہ وہ ایک خاص مانت تک ان کی بکریاں چرائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان کی قوم کے غنڈوں نے جب ان کے بھانوں کی نصیحت کرنی چاہی تو انہوں نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو میری لڑکیوں کے ساتھ کرو، خدا میرے بھانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ فوج کی پریڈ کے موقع پر ان کی نماز عصر فضا ہو گئی تو انہوں نے شدت جذبات سے غلویں پہن کر گھوڑوں ہی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سورہ کہف میں ایک نیک بندے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اس بنا پر ایک بچہ کو قتل کر دیا کہ انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو گا اور ایک کشتی میں اس بنا پر سوراخ کر دیا کہ انہیں اندیشہ ہوا کہ اس دیار کا بادشاہ کہیں اس کشتی کو قبضے میں نہ کرے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے واقعات ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور بطریق مذمت نہیں بیان ہوئے ہیں بلکہ بطریق مدح بیان ہوئے ہیں۔ اب بتائیے کہ کیا مجرد اس بنا پر کہ یہ واقعات قرآن میں بیان ہوئے ہیں یہ اس امت کے لیے قانون اور شریعت بن جائیں گے؟ اور ایک شخص کے لیے یہ بات جائز ہو جائے گی کہ اگر وہ اپنے کشتی علم سے کسی بچے کے بارے میں یہ معلوم کرے کہ وہ نافرمان اٹھے گا تو اسے قتل کر ڈالے؟

یا اس کی کوئی چیز اس کے لیے فتنہ کا سبب بن جائے تو اس کو تباہ کر دے، یا کوئی شخص اس پر حملہ آور ہو تو اپنے آپ کو بے چارن و چرا اس کے حوالہ کر دے؛ ظاہر ہے کہ ان سامے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اور نفی میں جواب ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ آیتیں نسخ ہو چکی ہیں، جہاں تک نسخ ہونے کا تعلق ہے اس کا تو جیسا کہ عرض کیا گیا، یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ تمام آیتیں بیان واقعات و اخبار کے تعلق رکھنے والی ہیں اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اخبار و واقعات میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا جواب نفی میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجرد ان واقعات کا قرآن مجید میں بیان ہو جانا ہی اس بات کے لیے کافی نہ تھا کہ یہ اس امت کے لیے شریعت اور قانون کی حیثیت حاصل کر لیں۔ قرآن مجید میں جہاں اس طرح کے واقعات کا حوالہ آیا ہے اس حیثیت سے آیا ہی نہیں ہے کہ یہ اس امت کے لیے بطور تعلیم و ہدایت کے بیان کیے جا رہے ہوں بلکہ دوسری اصولی تعلیمات کے سلسلہ میں ان کا ذکر ضمناً آ گیا ہے۔ ان ضمنی طور پر بیان شدہ واقعات سے اگر کوئی تعلیم نکلتی ہے تو وہ اس امت کے لیے اسی صورت میں ہدایت اور شریعت کا دجر حاصل کر سکتی ہے جب کتاب و سنت کی دوسری تصریحات سے بھی اس بات کی تائید ہو جائے کہ اس تعلیم کو اس امت کے اندر بھی باقی رکھنا شارع کو مطلوب ہے یا کم از کم سیکہ کوئی بات اس کے خلاف نہ پائی جائے۔ لیکن اگر دوسری تصریحات اس کے خلاف ہوں تو اس کے صاف معنی یہ ہونگے کہ اس امت میں اس تعلیم کو باقی رکھنا شارع کو مطلوب نہیں ہے۔

اگر اس طرح کی کوئی تصریح خود قرآن میں ہو تو وہ تصریح اس اشارہ پر مقدم ہو جائے گی جو اس واقعہ سے نکل رہا ہے۔ اس سبب سے نہیں کہ یہ تصریح ناسخ کی حیثیت رکھتی ہے، نسخ کا تو جیسا کہ اوپر گذرا واقعات کے سلسلہ میں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس تصریح کی حیثیت اس امت کے لیے بیان ہدایت کی ہے اور مقدم الذکر واقعہ محض کسی اصولی تعلیم کے سلسلہ میں ضمناً بیان ہوا تھا۔ اس کی حیثیت اگر کچھ تھی تو محض ایک اشارے کی تھی لیکن جب ایک چیز کے بارے میں صاف تصریح وارد ہو گئی ہے تو پھر اس کے بارے میں کسی اشارے کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؛

اور اگر یہ تصریح قرآن کے بجائے حدیث میں ہو تو بھی اسی کو تقدم حاصل ہو گا۔ اس کے مقابل میں یہ حجت

نہیں پیش کی جاسکتی کہ حدیث قرآن کو کس طرح منسوخ کر سکتی ہے؟ یہاں منسوخ کرنے کا سرے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، منسوخ کرنے کا سوال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی حکم موجود ہو۔ یہاں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ جو کچھ موجود ہے اس کی حیثیت محض ایک واقعہ کی ہے جو کچھ امتوں میں سے کسی امت میں یا سابق انبیاء میں سے کسی نبی کی زندگی میں پیش آیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس امت میں یہ بات بعینہ اسی شکل میں مطلوب ہے یا نہیں تو اس کی وضاحت قرآن بھی کر سکتا ہے اور حدیث بھی کر سکتی ہے۔ قرآن کے کسی واضح حکم کو منسوخ کرنے کے لیے تو بلاشبہ حدیث ناکافی ہے لیکن کچھ امتوں یا سابق انبیاء میں سے کسی کی تعلیم کو یا کسی رعایت کو منسوخ کر دینے کے لیے تو حدیث بالکل کافی ہے۔ بے شمار معاملات ایسے ہیں جن میں ہم جانتے ہیں کہ سابق انبیاء کی تعلیم کچھ اور تھی اور جہاں سے نبی کریم نے ہمیں اس کی جگہ کوئی نوری حدیث فرمائی اور ہم بے چون و چرا اس کو تسلیم کرتے ہیں، یہ غدر نہیں پیش کرتے کہ کسی سابق نبی کی تعلیم کو حدیث کس طرح منسوخ کر سکتی ہے۔

دونوں آیتوں کی صحیح تاویل | یہاں تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ مسئلہ پر اصولی بحث تھی۔ اب ہم ان دونوں آیتوں پر الگ الگ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں جن کو سجدہ نحر کے حجاز کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

پہلی آیت جو پیش کی گئی ہے وہ سورہ بقرہ کی آیت فسجد الملائكة کلہم اجمعون ہے اس آیت کو اول تو سجدہ نحر سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، فرشتوں نے آدم کو نہ سجدہ نحر کیا تھا اور نہ ان کو سجدہ نحر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی اطاعت و وفاداری کا ایک امتحان تھا کہ وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں ایک ایسی مخلوق کو سجدہ کرتے ہیں یا نہیں جو خلقت کے اعتبار سے بظاہر ان کے فرود ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق و مالک کل ہے، وہ جس کو چاہے کسی کے سجدے کا حکم دے سکتا ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں جو سجدہ کیا جائے گا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ ہوگا کسی غیر کو نہیں ہوگا۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس امتحان میں پورے اترے، انہوں نے بغیر کسی اظہار انانیت کے اس کے حکم کی تعمیل کی، صرف ابلیس نے اپنی برتری کے زعم میں اس حکم سے مترنابی کی اور اس جرم میں وہ راندہ گیا۔ ثنائیاً اگر یہ فرض بھی کر لیا

جائے کہ یہ سجدہ، سجدہ تعظیم و تحیت کی نوعیت کی کوئی چیز تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوگی وہ یہ ہے کہ فرشتوں کے لیے انسان کا سجدہ تحیت حکم خداوندی کے تحت جائز ہے نہ کہ انسان کا سجدہ تحیت انسان کے لیے حکم خداوندی کے بغیر آپ ہی آپ اس سے جائز ثابت ہوگا۔ انسان تو اس واقعہ سے من حیث النسخ ایک برتر اور مسجود ملائک مخلوق ثابت ہوتا ہے اور اس کا ایک ایک فرد اس شرف میں برابر کا شریک و سہم ہے پھر اس کے کسی فرد کے لیے یہ بات کس طرح جائز ہوگی کہ وہ اپنی ہی نوع کے کسی دوسرے فرد کے لیے سجدہ تحیت بجلائے؟ اس واقعہ سے اگر ثبوت ملتا ہے تو انسان کے مسجود ہونے کا ملنا ہے، اس کے بغیر اللہ کے سامنے ساجد ہونے کا تو کوئی ادنیٰ اشارہ بھی اس سے نہیں نکلتا۔

دوسری آیت سورہ یوسف کی آیت ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والدین کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر جانا بیان ہوا ہے۔ اس آیت کے بارے میں عرض ہے کہ اول تو بعض مشہور مفسرین جن میں امام رازی بھی شامل ہیں، اس آیت کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو سجدہ تحیت کی ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کی عام تاویل ہی لی جائے جب جی اس سے زیادہ سے زیادہ جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں تعظیم و تحیت کے لیے سجدہ کرنے کا رواج تھا میرے نزدیک یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس سجدہ سے مراد محض فی الجملہ کسی کے آگے جھک جانا ہے، اس سے وہ سجدہ مراد نہیں ہے جس کی نمایاں خصوصیت پیشانی کو زمین پر ٹکا دینا ہے اور جو ہمیشہ سے تمام آسمانی مذہب میں خدائے رب العزت کے لیے مخصوص مانا گیا ہے۔ سجدہ کا لفظ چونکہ عربی زبان میں سر جھکانے سے لے کر زمین پر سر رکھ دینے (وضع الجبہ علی الارض) تک کے وسیع مفہوم پر حاوی ہے اس وجہ سے یہ لفظ تورات اور قرآن دونوں میں سر جھکا دینے سے لے کر ماتھا ٹیک دینے تک کے ہر درجہ کے مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعض واقعات کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعظیم بجالانے کے لیے انہوں نے سر جھکایا۔ اس سر جھکانے کا مفہوم تورات کے اردو ترجموں میں ”جھکنے“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، انگریزی ترجمہ میں (Bow) کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے اور عربی ترجمہ میں وہی مفہوم مسجد الی الارض کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ لغوی اور اصطلاحی

دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم تو وضع الجبۃ علی الارض ہے جو ہمارے ہاں سجدہ کی اصلی صورت ہے۔ لیکن بعض جگہ یہ اپنے لغوی مفہوم میں محض سر جھکانے کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً فَكَلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (۵۸- بقرہ)۔ پس کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو فارغ البالی کے ساتھ اور داخل ہو خیمہ عبادت کے دروازے میں سر جھکاٹے ہوئے۔ بالکل اسی طرح سورہ یوسف والی آیت میں بھی یہ لفظ اپنے عام لغوی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے ہمارے اصطلاحی سجدہ کے بجائے وہ سر جھکانا مراد ہے جس کا بنی اسرائیل میں عام طور پر رواج رہا ہے اور جس کی مثالیں قدیم زمانہ سے دوسری قوموں میں بھی ملتی ہیں۔

بہر حال سورہ یوسف کی آیت میں جس سجدے کا ذکر ہے اس سے مراد محض سر جھکانا تعظیم بجالانا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص لفظ سجدہ کے اس لغوی مفہوم سے ناواقفیت یا بنی اسرائیل کے مجلسی آداب سے بے خبری کے سبب سے اس بات پر اصرار ہی کرے کہ اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو ہم نمازوں میں کرتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتا ہے یہی تو ہے کہ بنی اسرائیل میں تعظیم و تکریم کے لیے سجدے کا طریقہ رائج تھا، اس سے یہ استدلال تو کسی صورت میں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہی طریقہ اسلام میں بھی جائز یا پسندیدہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یا ان کے بیٹوں کے کسی فعل کو اسلام میں جائز یا ثواب ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کی تصریحات سے کوئی دلیل لائی جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق تو قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا۔ لیکن محدثانے سے اسلام میں اونٹ کا گوشت حرام نہیں ہو گیا بلکہ اس کی قربانی اسلام میں بہترین قربانی قرار دی گئی، کیونکہ اس معاملہ میں فیصلہ کن دوسری تصریحات تھیں اور ان سے اونٹ کا جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ اس کی حرمت۔

سجدہ سے متعلق قرآنی تصریحات | اب آئیے دیکھیے کہ سجدے سے متعلق اس امت کو نفی یا اثبات کی صورت میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان سے کہیں بھی یہ متذکر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اللہ و وحدہ لا شریک کے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کر سکتا ہے۔ پہلے قرآن کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے، اس کے بعد ہم احادیث پیش کریں گے۔

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ
لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ (۳۷- نصت)

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ - (۱۸- الحج)

وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
طَوْعًا وَكَرْهًا (۱۵- رعد)

إِنَّ الْبَاطِنِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ
عِبَادَتِهِ وَيَسْتَحْسِنُونَ وَلَهُ يَسْجُدُونَ (۲۰۷- الاحقاف)

نہ سورتج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اس اللہ
کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو
آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔

اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین
میں ہیں خواہ ماضی خوشی یا مجبورانہ۔

جو لوگ ترے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے
اعراض نہیں کرتے بلکہ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور

صرف اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

سجدہ سے متعلق بے شمار آیات میں سے یہ چند آیتیں ہم نے نقل کی ہیں یا ان کو پڑھ کر کوئی معقول آدمی
بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ اسلام میں یہ چیز اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لیے بھی جائز ہو سکتی ہے؟
سجدہ سے متعلق احادیث کی تصریحات | اب آئیے چند احادیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو وہاں عیسائیوں کو انہوں
نے دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں کو سجدے کرتے ہیں۔ وہ حیب ویاں سے لوٹے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا معاذ، یہ کیا؟ انہوں نے کہا، میں نے اہل شام کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے پاؤں کو
سجدہ کرتے ہیں تو آپ، یا رسول اللہ، اس بات کے زیادہ متقار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، اس پر
حضرت نے فرمایا کہ لو کنت امرا احد ان یسجد لاحد لاموت المرأة ان تسجد لزوجها لعظم
حقہ عیدہا۔ اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کے سجدے کا حکم دینے والا ہی ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا
کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ اس کا حق اس کے اوپر بہت بڑا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔ حضرت سلمان الجلی نے نئے
اسلام سے آشنا ہونے تھے، اسلام کے مزاج اور اپنی قومی روایات کے مزاج کے فرق کو اچھی طرح سمجھ نہیں پائے

تھے کہ ایک روز انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینہ میں کہیں دیکھا اور آپ کو سجدہ کر دیا۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لا تسجد لی یا سلمان و اسجد للعی اللہی لا یموت یہ اے سلمان مجھے سجدہ نہ کرو، بلکہ اس زندہ خدا کو سجدہ کرو جو کبھی مرنے والا نہیں ہے۔

یہ دونوں حدیثیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورہ یوسف کی زیر بحث آیت کے تحت نقل کی ہیں۔ ابن کثیر کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ بغیر تنقید کے حدیثیں نقل نہیں کرتے۔ ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ اس زمانہ میں سجدہ تحیت کا رواج اگر تھا تو عیسائیوں اور مجوسیوں میں تھا، وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے تھے۔ اسی رسم سے متاثر ہو کر حضرت معاذ اور حضرت سلمان نے بھی آپ کو سجدہ کرنا چاہا لیکن حضور نے ان کو منع فرما دیا کہ اسلام میں سجدہ صرف خدا کے لیے ہی ہے، اس کے سوا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر اچھی طرح واضح تھا کہ معاذ یا سلمان نے آپ کو جو سجدہ کیا ہے وہ آپ کو خدا سمجھ کر سجدہ عبادت نہیں کیا ہے بلکہ محض سجدہ تحیت کیا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اس کو گوارا نہیں فرمایا، بلکہ نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ اسلام میں سجدہ غیر اللہ کے لیے مسرے سے جائز ہی نہیں ہے۔

تعظیم و تحیت متعلق امت کا عام رویہ [قرآن و حدیث کے بعد دوسری چیز جو اس بارے میں دیکھنے کی ہے وہ امت کا ان معاملات میں عام رویہ ہے۔ مسلمانوں میں سب سے بڑی شخصیت، مرجع عقیدت و احترام ہونے کے لحاظ سے بھی، اور سیاست و اقتدار کے اعتبار سے بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ آپ کے صحابہ آپ کو سجدہ کرنا تو درکنار آپ کے لیے بجز تعظیم کھڑے بھی نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احترام و تعظیم کے ان عجیب طریقوں کو پسند نہیں فرماتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کو دلوں پر حکمرانی کا وہ مقام حاصل ہوا کہ بعد کے زمانوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ لیکن نہ ان میں سے کسی کے دل میں یہ دوسو سہ ہی گزرا کہ وہ مسلمانوں سے سجدہ تحیت کرائیں اور نہ مسلمانوں ہی میں سے کسی نے یہ ذلت گوارا کی کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کے سجدہ سے اپنی پیشانی کو واغدار کرے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانوں میں اگرچہ مسلمانوں کے مجلسی آداب اور ان کی درباری روایات

میں بہت سی عجیب بدعتیں آگئی تھیں تاہم سجدہ نجیبت تو درکنار مسلمان کسی کے آگے معمولی طور پر سر جھکانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس چیز کا ذکر اگر کہیں ملتا ہے تو مسلمان سلاطین میں سے اکبر کے درباریوں میں ملتا ہے یا پھر تصوف کی ان شاخوں میں ملتا ہے جن میں سنت کے مقابل میں بدعت کا غلبہ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کو دلیل کی حیثیت سے پیش کرے تو وہ بلاشبہ سجدہ نجیبت کے جواز بلکہ استحسان تک کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن اس دور کی غلط باتوں کو ایک حجت شرعی کی حیثیت سے کوئی نادان ہی پیش کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

فلسفہ دین کے نقطہ نظر سے فلسفہ دین کے پہلو سے اس مسئلہ پر غور کیجئے تو آپ کے سامنے یہ حقیقت آشکارگی

کہ اسلام میں صرف صریح شرک ہی حرام نہیں ہے بلکہ وہ ساری چیزیں اور باتیں بھی حرام ہیں جو ذریعہ شرک یا صورت شرک ہیں۔ اگر اسلام کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ان ساری چیزوں کو بھی حرام ٹھہرا

دیتا ہے جو اس حرام کے لیے ذریعہ اور واسطہ بن سکتی ہیں۔ اگر یہ حقیقت آپ تسلیم کرتے کہ سجدہ تذل و

تعبد کی سب سے بڑی نشانی ہے تو اس چیز کو غیر اللہ کے لیے اسلام کس طرح جائز رکھ سکتا ہے؟ اگر آپ

کہیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ عبادت نہیں بلکہ سجدہ نجیبت جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ سجدہ نجیبت اور سجدہ

عبودیت کی صورت میں ظاہری فرق کیا ہے؟ پھر سد ذریعہ کے اصول پر اسلام میں یہ کیوں نہ حرام ٹھہرے؟

ضمنی سوالات کا جواب | یہاں تک اصل سوال کے جواب پر گفتگو تھی اور جہاں تک مسئلہ کی تحقیق کا تعلق

ہے اس پر اب کچھ مزید کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن مستفسر نے ضمناً بعض اور باتیں بھی ایسی لکھ

دی ہیں جن سے ان کے خیال میں سجدہ نجیبت کے جواز کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ ہم مختصراً ان کی حقیقت بھی

واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

مسلم الثبوت کے حوالہ سے یہ اصول پیش کیا گیا ہے کہ "اگر ایک شے کا وجوب منسوخ ہو جائے تو

اس کا جواز باقی رہتا ہے۔ ہم بغیر کسی بحث کے تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ اصول صحیح ہے

لیکن یہاں اس اصول کا حوالہ بالکل بے محل ہے۔ جو آئین سجدہ نجیبت کے جواز کے ثبوت میں پیش کی جاتی

ہیں ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ہم نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ دو آیتوں میں سے ایک آیت

تو سجدہ نجیبت کی بحث سے بالکل ہی غیر متعلق ہے اور دوسری آیت سے اگر کوئی بات نکلتی ہے تو صرف

یہ نکلتی ہے کہ بنی اسرائیل میں سجدہ تحیت کا رواج تھا۔ اب یہ سوال کہ کیا یہ چیز اس امت میں بھی جائز ہے تو اس سوال کے جواب کا انحصار اس باب میں کتاب و سنت کی دوسری تصریحات پر ہے۔ اور یہ ہم تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ قرآن، حدیث، امت کا تعلق تو اتر، اور اسلام کا مزاج، یہ ساری چیزیں اس کے خلاف ہیں۔

تقاضی خان کے حوالہ سے اس اصول کا ذکر کیا گیا ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے اگر اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ یہیں اس اصول کی صحت سے بھی انکار نہیں ہے، لیکن اس کا حوالہ بھی یہاں بالکل بے عمل ہے۔ کیونکہ سجدہ کے بارے میں اثباتی طور پر یہ بات موجود ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور منفی پہلو سے یہ بات موجود ہے کہ غیر اللہ کے لیے کسی نوعیت کا سجدہ بھی جائز نہیں ہے۔

قوادشے عالمگیری کے حوالہ سے امام ابو منصور کا یہ فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے لیے زمین بوسی کرے یا جھکے یا سر جھکائے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی، کیونکہ یہ اس نے محض اس کی تعظیم کے خیال سے کیا ہے نہ کہ عبادت کے خیال سے۔ اگر امام ابو منصور کا یہ فتویٰ فی الواقع ہے تو ہمیں اس فتویٰ سے اختلاف نہیں ہے محض کسی کے آگے جھک جانا یا سر جھکا دینا کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ اس پر کسی کی تکفیر کر ڈالی جائے۔ اس پر اگر اعتراض کیا جاسکتا ہے تو اس پہلو سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ بات ایک سچے مومند کی شان کے خلاف ہے اور اسلام میں اس قسم کے طریقہ تعظیم کو پسند نہیں کیا گیا ہے لیکن اس پر تکفیر ہرگز نہیں کی جائے گی۔ سجدہ تحیت کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے۔ امام ابو منصور کے اس فتویٰ کا تعلق اس سے ہرگز نہیں ہے۔

ملقط کے حوالہ سے جو قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا انتساب حضرت ابن عباس کی طرف میرے نزدیک بالکل غلط ہے۔ یہ بات ان کی طرف سے کسی منقذ نے منسوب کر دی ہے۔ اول تو تفسیر میں ان کا جو مقام ہے وہی اس کے منافی ہے کہ اس قسم کی کفریہ بات ان کی زبان سے نکلے۔ ثانیاً تفسیر کی معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ ان کی امتوں میں اس طرح کا سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز تھا لیکن اس امت میں سجدہ صرف جناب رب العزت کے لیے خاص ہو گیا ہے۔

لو كنت امرا احدا ان يسجد لاحد الا لحدیث سے متعلق عبدالحق محدث دہلوی کی جو تحقیق نقل ہوئی ہے

مجھے اس سے بھی اتفاق نہیں ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ حدیث قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ یہ بات بجا ہے خود صحیح ہے لیکن اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ تفسیر نسخ کا محل ہے اور نہ ہم نسخ کا دعویٰ ہی کرتے ہیں۔ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ قرآن سے زیادہ سے زیادہ جو بات نکلتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ نبی اسرائیل میں اس قسم کے سجدے کا رواج تھا۔ یہی بات کہ اس امت میں بھی یہ بات جائز ہے تو اس کا فیصلہ قرآن و حدیث کی دوسری تصریحات ہی سے ہو سکتا ہے اور وہ اس کے جواز کے خلاف ہیں۔

دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ "لا ینعنی" کے الفاظ سے قطعی نہیں نکلتی۔ چلیے ہم نے مان لیا کہ قطعی نہیں اس سے نہیں نکلتی لیکن کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ "لا ینعنی" کے الفاظ جواز و استحسان کے بیان کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں؟ علاوہ انہیں دوسری روایت میں حضرت سلمان کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں صاف لایسجد لی یا سلمان، و اسجد للہی الذی لا یموت کے الفاظ وارد ہیں۔ کیا ان الفاظ سے بھی قطعی نہیں نکلتا؟

تیسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سجدہ ممنوعہ کی نوعیت نہیں بیان ہوئی ہے بلکہ ایک مطلق لفظ سجدہ کا وارد ہے اور اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب لفظ مطلق ہو تو اس سے فرد کا مل مراد ہوا کرتا ہے۔ محقق دہلوی کا مطلب یہ ہے کہ جب یہاں سجدہ نجیثت کی تصریح کے بغیر لفظ سجدہ آیا ہے تو اس سے مراد صرف سجدہ جہلوت ہی ہو گا نہ کہ سجدہ نجیثت۔ میرے نزدیک یہ اصول بالکل غلط ہے اور اگر قرآن و حدیث میں اس اصول کا بیجا گمان استعمال شروع ہو جائے تو سارا دین باز یچہ اطفال بن کر رہ جائیگا۔ میں حدیث تو حدیث قرآن سے سینکڑوں مثالیں ایسی پیش کر سکتا ہوں کہ ایک لفظ مطلق استعمال ہوا ہے اور وہ اپنے بالکل ابتدائی یا ظاہری معنی پر دلالت کرتا ہے اسی طرح وہی لفظ دوسری جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ اپنے انتہائی یا دوسرے الفاظ میں کامل یا تحقیقی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مقام اس مسئلہ پر نجیثت کے لیے موزوں نہیں ہے لیکن اگر کوئی صاحب المطلق اذا اطلق یراد بہ العنود الکامل کو ایک قطعی فارمولے کی حیثیت سے پیش کرنے اور اس کی صحت پر مصر ہوں تو میں اس کی غلطی ہر میدان میں ثابت کرنے کے لیے انشاء اللہ حاضر ہوں۔

آخر میں مستفسر نے سجدہ نجیثت کے جواز میں حضرت نظام الدین اولیا کی بعض کتابوں اور مولانا رومی کی مثنوی کا حوالہ دیا ہے۔ میں ان بزرگوں کی حرور و جبر عزت کرتا ہوں اور یہ حسن ظن رکھتا ہوں کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی غلط بات اپنی کسی کتاب میں نہیں کہی ہوگی۔ لیکن اگر خدا نخواستہ انہوں نے یہ بات کہیں کہی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی اس لغزش کو معاف فرمائے اور تمام طالبین حق کو یہ مشورہ دینا ہوں کہ وہ ہمیشہ حق کتاب و سنت سے معلوم کرنے کی کوشش کریں۔